© rasailojaraid.com

حالات وواقعات

ابوعمار زاہدالراشدی

استاذ القراء حضرت قاری محمد انور قدس اللہ سرہ العزیز

[الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ میں ۱۴ر فروری کو منعقد ہونے والی پندرہ روزہ فکری نشست میں مولانا زاہدالراشدی نے استاذ القراء حضرت قاری محمد انور صاحبؒ کے بارے میں گفتگو کی جو مولانا زاہد الراشدی کے حفظ کے استاذ تھے اور ابھی پچھلے دنوں ان کا مدینہ منورہ میں انتقال ہوا ہے۔ اس نشست میں ان کے حوالے سے کچھ یادداشتیں بیان کی گئیں اور آخر میں ان کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن کریم کی تلاوت اور دعا کی گئی۔]

بعد الحمد والصلوٰۃ!

استاذ الحفاظ، استاذ القراء حضرت قاری محمد انور صاحبؒ کا چند روز پہلے مدینہ منورہ میں انتقال ہو گیا ہے۔ آپؒ میرے حفظ کے استاذ تھے اور صرف میرے ہی نہیں بلکہ ہمارے پورے خاندان کے استاذ تھے۔ ہم سب بھائی بہنیں ان کے شاگرد ہیں۔ الحمد للہ نو بھائیوں نے اور تین بہنوں نے حفظ کیا ہے۔ ایک بڑی بہن کے سوا باقی سب کے استاذ وہی تھے، جبکہ گکھڑ میں اور گکھڑ کے اردگرد سیکڑوں حفاظ کے استاذ تھے۔ گکھڑ سے افریقہ کے ایک ملک میں تشریف لے گئے، وہاں بھی بیسیوں حفاظ کے استاذ ہیں۔ پھر مدینہ منورہ میں تقریباً پینتیس سال انہوں نے قرآن پاک پڑھایا ہے۔ وہاں بھی سیکڑوں حفاظ نے ان سے قرآن کریم حفظ کیا ہے۔ آج کی تقریب میں ان کے حوالے سے کچھ باتیں عرض کروں گا۔

ان کے تعارف کے لیے دو تین باتوں کا تذکرہ ضروری ہے۔ گکھڑ میں حضرت والد محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ ۱۹۴۳ء میں آئے تھے۔ ۱۹۴۱ء، ۱۹۴۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کیا تھا اور ۱۹۴۳ء میں گکھڑ بوہڑ والی مسجد میں بطور امام و خطیب کے تشریف لائے تھے اور ۲۰۰۹ء میں ان کا انتقال ہوا۔ سارا عرصہ انہوں نے گکھڑ میں گزارا ۔ جب تک صحت نے اجازت دی، وفات سے سات آٹھ سال پہلے تک، تو پانچوں نمازیں خود پڑھاتے تھے، صبح درس بھی دیتے تھے، جمعہ بھی پڑھاتے تھے۔ وہاں درس نظامی کا مدرسہ تو تھا جس میں حضرت والد صاحبؒ جب سے آئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے، پڑھا رہے تھے۔ ملک کے مختلف حصوں سے علماء آتے تھے، وہاں رہتے تھے، پڑھتے تھے، لیکن حفظ کا کوئی باضابطہ مدرسہ نہیں تھا۔ حفظ کا باضابطہ مدرسہ تقریباً ۱۹۵۷ء میں بنا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ راہوالی سے گکھڑ جاتے ہوئے رستہ میں ایک گتہ فیکٹری ہوتی تھی۔ اب تو وہ ختم ہو چکی ہے، لیکن بلڈنگ وغیرہ موجود ہے۔ اس کے ساتھ سیٹھی کالونی ہے۔ یہ گتہ فیکٹری کسی زمانے میں پاکستان کی بڑی گتہ فیکٹری ہوتی تھی۔ ایک مردان میں تھی، دوسری یہ تھی۔ اس کے مالک سیٹھی محمد یوسف صاحبؒ نومسلم باپ کے بیٹے تھے۔ سیالکوٹ روڈ پر ایک قصبہ ہے ترگڑی، وہاں کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد ہندو سے مسلمان ہوئے تھے۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے والد جلال کے تھے۔ ہمارے ایک اور بزرگ گزرے ہیں باواجی عبد الحقؒ، یہ تلونڈی کھجور والی کے تھے۔ تلونڈی کھجور والی، جلال اور ترگڑی، یہ تینوں قریب قریب علاقے ہیں، دو دو تین تین میل کا فاصلہ ہے۔ یہ تینوں حضرات ایک ہی دور میں مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت لاہوریؒ کے والد سکھ سے مسلمان ہوئے تھے، باواجی عبد الحقؒ ہندو پنڈت سے مسلمان ہوئے تھے اور سیٹھی صاحب کے والد ہندو سے مسلمان ہوئے تھے۔ سیٹھی محمد یوسف صاحبؒ کے والد صاحب کو قرآن پاک سے بڑا لگاؤ تھا، اپنے بیٹے کو بھی انہوں نے قرآن پاک کی طرف توجہ دلائی۔

سیٹھی محمد یوسف صاحب گتہ فیکٹری کے مالک تھے اور اپنے زمانے میں ضلع گوجرانوالہ کے چند امیر ترین لوگوں میں سے تھے۔ ذوق قرآن پاک کی خدمت کا تھا۔ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ مدرسے بنائے جائیں۔ اس زمانے میں حفظ اور تجوید کے مدارس اکا دکا کہیں ہوتے تھے۔ ملتان، کراچی، چنیوٹ سائڈ پر جہاں حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ اور حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ کے کچھ شاگرد تھے، ہمارے اس علاقے میں حفظ کا کوئی مدرسہ نہیں تھا۔ سیٹھی محمد یوسف صاحب کا طریقہ کار یہ ہوتا تھا کہ ان کے ساتھ ایک قاری صاحب ہوتے تھے، مولانا قاری عبد الحفیظ صاحبؒ۔ اکوڑہ خٹک کے ساتھ شیدو شریف ایک جگہ ہے، یہ وہاں کے تھے۔ سیٹھی صاحب قاری صاحب کو مختلف علاقوں میں لے کر جاتے، مجمع کے سامنے قاری صاحب کو قرآن سنانے کا کہتے۔ قاری صاحب تلاوت کرتے۔ قاری صاحب قرآن پاک اچھا پڑھتے تھے پھر سیٹھی صاحب لوگوں کو کہتے ایسے ہی تم بھی پڑھا کرو۔ لوگ کہتے، ہم ایسے کس طرح پڑھیں؟ سیٹھی صاحب کہتے کہ اس کا بندوبست کرو، میں بھی حصہ ڈالتا ہوں۔ یہاں کوئی مدرسہ بناؤ، قاری صاحب رکھو، میں بھی حصہ ڈالتا ہوں۔ یہ ان کا طریقہ تھا۔

اب بھی وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ غالباً ۱۹۵۶ یا ۱۹۵۷ء کی بات ہے۔ میں اس وقت آٹھ نو سال کا تھا۔ سیٹھی صاحب ہماری مسجد میں تشریف لائے۔ جمعے کے دن حضرت والد صاحبؒ سے کہا کہ خطبے سے پہلے مجھے پانچ سات منٹ دیں گے؟ انہوں نے کہا، ٹھیک ہے۔ سیٹھی صاحب نے قاری صاحب سے کہا، تلاوت کریں۔ انہوں نے مختصر سی تلاوت فرمائی۔ پھر سیٹھی صاحب نے کھڑے ہو کر دو تین منٹ بات فرمائی کہ قرآن پاک اچھے طریقے سے پڑھانا چاہیے، صحیح پڑھنا چاہیے، یاد کرنا چاہیے۔ جیسے قاری صاحب نے پڑھا ہے، تم بھی کوئی شوق پیدا کرو اور کہا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسا قاری صاحب نے صحیح تلفظ کے ساتھ قرآن پڑھا ہے، مولوی صاحب (مراد والد گرامیؒ) کے علاوہ یہاں کے مقامی لوگوں میں سے اگر کوئی اسی طرح ایک رکوع پڑھ کر سنا دے تو پچاس روپے انعام دوں گا۔ اس زمانے کے پچاس روپے آج کے پانچ ہزار تھے۔ ایک بزرگ مہاجر تھے حافظ احمد حسن صاحبؒ (زاہد اقبال خوشنویس کے والد)۔ انہوں نے کہا: میں سناتا ہوں۔ کہا: سنائیں۔ جب سنا چکے تو سیٹھی صاحب نے کہا، آپ مقامی نہیں ہیں۔ کہا: جی میں مقامی تو نہیں ہوں، مہاجر ہوں۔ سیٹھی صاحب نے کہا: میں نے مقامی حضرات سے کہا تھا۔ یہ کہہ کر سیٹھی صاحب نے ایک شوق پیدا کیا۔ فرمایا: ایسا کرو کہ کسی قاری صاحب کا بندوبست کرو۔ قاری صاحب کو جو تنخواہ دو گے، آدھی تنخواہ میں دیا کروں گا۔ اسی پر فیصلہ ہوگیا کہ اب قاری صاحب رکھیں گے اور قرآن پاک حفظ ناظرہ کی کلاس شروع ہوگئی۔ اس فیصلے کے تحت ہمارے پہلے استاذِ محترم قاری اعزاز الحق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تھے جو امروہہ کے مہاجر تھے۔ ان کو مقرر کیا گیا۔ میں پہلی کلاس کا طالب علم تھا، مجھے اسکول سے اٹھا کر مدرسے میں ڈال دیا گیا۔ تب میں چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا۔ چوتھی جماعت پڑھی تھی، امتحان نہیں دیا تھا۔ گیارہ بارہ لڑکوں کی کلاس تھی۔ ہمیں قرآن پاک حفظ شروع کروا دیا گیا۔ ناظرہ میں نے پہلے والدہ مرحومہ سے اور والد صاحبؒ سے پڑھا ہوا تھا۔ بات میں نے قاری صاحبؒ کی کرنی ہے، لیکن سیٹھی صاحب کا تعارف ضروری ہے۔ سیٹھی صاحب سارے ملک میں ایسا ہی کرتے تھے۔ فیکٹری کماتی تھی، وہ خرچ کرتے تھے۔ اسی طرح ترغیب دلا کر مدرسہ بنواتے تھے، کہیں تجوید کا، کہیں حفظ کا۔ کہیں آدھی تنخواہ دیتے، کہیں تیسرا حصہ اور کہیں تو پوری تنخواہ خود دیتے تھے کہ تم قاری صاحب کو رکھو، تنخواہ میں دوں گا۔

ان کی گتہ فیکٹری کا ایک مستقل شعبہ تھا، شعبہ تعلیم القرآن۔ اس شعبہ کے انچارج محمد حسین صاحب مرحوم تھے۔ ایک مرتبہ شاید ۱۹۶۵ء کی بات ہے، میں نے ان سے پوچھا کہ ملک کے کتنے مدرسے ہیں جن کی سیٹھی صاحب اس طرح مدد کرتے ہیں؟ انہوں نے سیکڑوں میں تعداد بتائی جن کی سیٹھی صاحب اس طرح معاونت اور نگرانی کرتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ مدرسے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوگئے اور سیٹھی صاحب کا مقصد بھی یہی ہوتا تھا کہ میں ان کو سہارا دوں، یہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔ جب وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاتے تو آپ پیچھے ہٹ جاتے کہ میرا کام یہی تھا۔ سیٹھی صاحب مرحوم نے افریقہ میں اور سعودی عرب میں بھی بہت سے مدرسے بنوائے ہیں۔ ہمارے استاذِ محترم قاری محمد انور صاحبؒ کو یہ گکھڑ سے افریقہ لے گئے تھے، قاری صاحبؒ چند سال وہاں پڑھاتے رہے۔

سیٹھی صاحبؒ کے اللہ پاک درجات بلند فرمائیں، اللہ پاک جس سے کام لینا چاہیں۔ یہ بات شاید آپ کی سمجھ میں نہ آئے کہ سعودی عرب میں حفظ کا کوئی مدرسہ نہیں تھا اور تراویح میں قرآن مجید سننے سنانے کا سوائے حرمین کے کہیں رواج نہیں تھا۔ سعودی عرب میں حفظ کا پہلا مدرسہ حرم مکہ میں سیٹھی صاحب نے قائم کیا تھا جس کے پہلے طالب علم امامِ کعبہ شیخ عبد اللہ بن السبیلؒ تھے جو بعد میں امام الحرمین بنے۔ حرمین شریفین کے حفظ کے پہلے استاذ زندہ ہیں، قاری خلیل احمد صاحب۔ اب معذور ہیں، آزاد کشمیر کے ہیں۔ قاری خلیل احمد صاحب کا ایک بیٹا حرمین کے ائمہ میں شامل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جن کا نام غالباً محمد ہے۔ سیٹھی صاحب نے مدرسے بنوانے شروع کیے۔ جب تعداد خاصی بڑھ گئی تو سعودیہ والوں کو خیال آیا کہ باہر کے آدمی خرچہ کر کے مدرسے بنوا رہے ہیں۔ پیسے تو ہمارے پاس بہت ہیں، ہم خود یہ کام کیوں نہ کریں۔ اس طرح ان کو خیال آیا اور انہوں نے نظام سنبھال لیا، لیکن آغاز سیٹھی صاحب نے کیا اور کئی سال تک کئی مدارس کا خرچہ یہاں سے بھجواتے رہے۔ ائمہ حرمین میں الشیخ حذیفی اور الشیخ السدیس بھی پاکستانی قاری صاحبان کے شاگرد ہیں اور قاری انور صاحبؒ کے تو وہاں سیکڑوں شاگرد ہیں۔ یہ وہاں کے ائمہ اعتراف کرتے ہیں کہ ہم نے پاکستانی قاریوں سے پڑھا ہے۔ اس وقت بھی وہاں حضرت قاری بشیر احمد صاحب ملتانی ہیں، مدینہ منورہ میں عشاء کے بعد بیٹھتے ہیں اور بڑے بڑے لوگ ان کے پاس آ کر اپنا تلفظ صحیح کرتے ہیں۔

یہ ہمارے گکھڑ کے مدرسے کا پس منظر تھا، لیکن اتفاق کی بات تھی اور یہ ہمارے ہاں ہوتا ہے کہ مزاج نہیں ملتے۔ ہم نے قرآن پاک شروع تو کر دیا، لیکن کوئی قاری صاحب یہاں ٹکتے نہیں تھے یا محلے والے ٹکنے دیتے نہیں تھے۔ دونوں باتیں ہوتی ہیں، یا تو قاری صاحب کا اپنا موڈ ٹکنے کا نہیں ہوتا یا وہ ٹکنا چاہتا ہے، لیکن محلے والے ٹکنے نہیں دیتے۔ یہی سلسلہ چلتا رہا۔ ایک قاری صاحب آئے، وہ چلے گئے۔ دوسرے آ گئے، وہ چلے گئے۔ اسی طرح کئی قاری صاحبان ہمارے تبدیل ہوئے اور مسئلہ یہ تھا کہ جو قاری صاحب آتے، وہ نئے سرے سے شروع کرواتے کہ تم نے صحیح نہیں پڑھا ہوا، تمہارا تلفظ صحیح نہیں، تمہارا لہجہ صحیح نہیں ہے۔ ہم اسی الجھن میں تھے کہ کریں کیا؟ ہر پانچ چھ مہینے کے بعد نئے قاری صاحب آ جاتے ہیں۔ بالآخر اللہ پاک نے ہمیں حضرت قاری محمد انور صاحبؒ عطا فرمائے۔ لاہور میں حفظ اور تجوید کا مدرسہ تجوید القرآن سب سے قدیمی مدرسہ ہے۔ حضرت قاری فضل کریم صاحبؒ اور قاری محمد حسن شاہ صاحبؒ، قاری محمد ظریف صاحب کا مدرسہ تھا۔ ان سے حضرت والد صاحبؒ نے کہا کہ کوئی اچھا سا قاری دو، ہم نے مدرسہ چلانا ہے۔ حضرت قاری محمد انور صاحب ٹوبہ ٹیک سنگھ کے رہنے والے تھے، ابتدائی تعلیم انہوں نے دار العلوم ربانیہ میں حاصل کی تھی۔ حفظ مکمل کیا تجوید القرآن لاہور میں، تجوید قاری محمد حسن شاہ صاحبؒ سے پڑھی تو اس تعلق سے قاری محمد انور صاحبؒ یہاں تشریف لائے۔ یہ پھر ٹک کر بیٹھے، ایسے ٹک کر بیٹھے کہ الحمد للہ ہر طرف حافظ ہی حافظ ہو گئے۔

آپؒ بڑے اچھے استاذ تھے۔ میں نے پھر ان سے حفظ کرنا شروع کیا۔ آپؒ بڑی شفقت فرماتے تھے، اور ڈنڈا بھی خوب چلاتے تھے۔ یہ تو ہوتا ہی ہے۔ ویسے آج کا ماحول بدل گیا ہے، ورنہ ڈنڈا ہی انسان کو سیدھا رکھتا ہے، لیکن زیادہ بھی نہ مارا جائے، ہلکی پھلکی مار میں کوئی حرج نہیں۔ ہم نے تو خیر والد صاحبؒ سے بھی بہت ڈنڈے کھائے ہیں اور قاری صاحبؒ سے بھی بہت ڈنڈے کھائے ہیں۔ میں اس پر طلبہ کو اپنا قصہ سنایا کرتا ہوں کہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ مجھے سبق یاد نہیں تھا، قاری صاحبؒ نے میرے دائیں ہاتھ پر پانچ ڈنڈے ٹکا کر مارے جو اب تک مجھے یاد ہیں۔ میں آخر صاحبزادہ تھا، منہ بسورا اور اٹھ کر گھر چلا گیا۔ والدہ مرحومہ اللہ پاک غریق رحمت کریں۔ وہ بھی گھر میں بچیوں کو ناظرہ اور حفظ پڑھاتی تھیں، اگرچہ خود حافظ نہیں تھیں۔ میں نے ایک دفعہ ان سے پوچھا کہ اماں جی آپ سے کتنی بچیوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حفظ کیا ہے؟ کہنے لگیں تیئس بچیوں نے۔ حالانکہ خود حافظ نہیں تھیں، نیم معروف پڑھتی تھیں۔ اس زمانے میں یہی ہوتا تھا۔ گھر میں روزانہ ان کا مدرسہ ہوتا تھا اور وہ پڑھاتی تھیں۔ انہوں نے بھی ڈنڈا رکھا ہوا تھا۔ میں قاری صاحبؒ سے مار کھا کر گھر آ گیا۔ والدہ مرحومہ نے دیکھا کہ سبق کے وقت میں یہ گھر پھر رہا ہے۔ مجھے بلا کر پوچھا۔ میں نے منہ بسور کر جواب دیا: قاری صاحب نے مارا ہے۔ میرے ذہن میں تھا کہ ماں مجھے سینے سے لگائے گی، دلاسہ دے گی اور قاری صاحب کو دو چار سنائے گی کہ قاری کون ہوتا ہے میرے بچے کو مارنے والا۔ مجھ سے پوچھا: اچھا بیٹے! کیوں مارا تھا؟ میں نے کہا: سبق یاد نہیں تھا۔ کس چیز سے مارا تھا؟ میں نے کہا: ڈنڈے سے۔ کتنے؟ پانچ۔ کہاں مارا؟ دائیں ہاتھ پر۔ والدہ مرحومہ نے اپنا ڈنڈا پکڑا اور میرے بائیں ہاتھ پر چھ ڈنڈے مارے اور کہا، چلو پہنچو مدرسے۔

اس وقت مجھے بہت غصہ آیا اور آنا بھی تھا، لیکن آج اماں جان کو دعائیں دیتا ہوں کہ اگر اس وقت میری ماں مجھے سینے سے لگا کر سہارا دے دیتی اور گھر میں بٹھا لیتی تو ہم آج یہ کچھ نہ ہوتے جو ہیں۔ پتہ نہیں کدھر کدھر پھرتے، کیا ہوتا اور کہاں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ سارا کمال ان چھ ڈنڈوں کا ہے۔ ایمانداری کی بات ہے، بزرگوں کی دعائیں اور ماں کے ہاتھ سے کھائے ہوئے ڈنڈے یہی دو چیزیں کام آ گئیں، ورنہ میرا کانٹا بدل چکا ہوتا اور گاڑی کا کانٹا ہی بدلنا ہوتا کہ وہ اِدھر سے اُدھر ہو جاتی ہے۔ قاری صاحبؒ مارتے بھی تھے، لیکن اگر کبھی سمجھتے کہ زیادہ مار لیا ہے تو بلا کر چائے بھی پلاتے تھے۔ ایک دن مجھے ڈنڈے زیادہ لگ گئے تو میں پریشان بیٹھا تھا کہ قاری صاحب نے مارا بہت ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد چائے منگوائی، مجھے بلایا اوئے مولوی! ادھر آ (مجھے مولوی ہی کہتے تھے)، چائے پی لے۔ میں حیران کہ ابھی مار رہے تھے اور اب چائے پلا رہے ہیں۔ مجھ سے فرمایا: بیٹا! ہم مارتے ہیں تو کسی وجہ سے مارتے ہیں۔ یہ ان کا انداز تھا۔ میں قاری صاحب سے حفظ کرتا رہا۔ میرا حفظ ۲۰/اکتوبر ۱۹۶۰ء کو مکمل ہوا۔ قاری صاحبؒ مجھ پر بہت مہربان تھے۔ بڑی شفقت فرماتے تھے۔ قاری صاحبؒ نے دو تین سال اپنے ساتھ مجھے قرآن کریم کا دور کروایا ہے۔ آپ گکھڑ کی مسجد میں قرآن مجید سنایا کرتے تھے، میں ان کا سامع ہوتا تھا۔ پھر اپنی نگرانی میں پہلا مصلیٰ سنانے کے لئے مجھے بھیجا۔ میں نے پہلا مصلیٰ بدو کے گوسائیاں کینٹ میں سنایا تھا۔

گکھڑ ہی کی دو باتیں اور ذکر کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ استاذ، استاذ ہوتا ہے اور جس طالب علم پر استاد کی نظر ہو، اسے کیمیا بنا دیتا ہے۔ مجھے تقریر کرنا بھی حضرت قاری صاحبؒ نے سکھایا ہے، ورنہ قاری صاحبؒ کا تقریر سے کیا تعلق؟ قاری صاحبؒ نے ہمیں حفظ کے دوران تجوید کا رسالہ زینۃ القرآن سبقاً سبقاً پڑھایا اور مجھے کھڑا کر کے کہتے، اوئے مولوی! کیا سبق پڑھا ہے؟ بیان کرو۔ مجھ سے تقریر کرواتے تھے۔ گکھڑ میں کبھی کبھی مولانا قاری سید حسن شاہ صاحبؒ تشریف لایا کرتے تھے۔ آپؒ قاری بھی بہت اچھے تھے اور خطیب بھی بہت اچھے تھے۔ قاری محمد انور صاحبؒ کبھی جلسہ کرواتے تو شاہ صاحبؒ کو بلاتے تھے۔ مجھے کچھ جملے رٹا کر، کچھ چیزیں یاد کرا کر پہلے کھڑا کر دیتے کہ تقریر کرو۔ کبھی لکھ کر دیتے، میں یاد کرتا اور پھر مجمع کے سامنے تقریر کے انداز میں بیان کرتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک واقعہ میں عموماً سنایا کرتا ہوں کہ روڈ پر جلسہ تھا، شاہ صاحبؒ کی تقریر تھی، ان سے پہلے قاری صاحبؒ نے مجھے تقریر کرنے کے لئے کھڑا کر دیا۔ میں مائیک پر کھڑا ہوا اور بازو چڑھا کر قادیانیوں کے خلاف تقریر کرنا شروع کر دی اور مرزا قادیانی کو پنجابی میں دو چار گالیاں دیں کہ مرزا بے ایمان، مرزا یہ، مرزا وہ۔ دو چار جو سنائیں تو والد صاحبؒ نے پیچھے گردن سے مجھے پکڑا اور پیچھے بٹھا دیا۔ خود مائیک پر آ کر ارشاد فرمایا: بچہ ہے، جذبات میں غلط باتیں کر گیا ہے، میں معافی مانگتا ہوں۔ حالانکہ میں نے جو کچھ کہا تھا، مرزا کو کہا تھا۔ میں کہا کرتا ہوں کہ ہم آج کل مائیک پر کھڑے ہو کر کیا کچھ نہیں کہتے؟ میں اپنی بات کیا کرتا ہوں کہ میری تربیت اس ماحول میں ہوئی ہے، اس لیے میری زبان سے سخت لفظ کی کسی شدید ترین مخالف کے لیے بھی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔ الحمد للہ! میں آج اپنے کسی شدید ترین مخالف کا نام بھی لیتا ہوں تو احترام کے ساتھ لیتا ہوں۔ خیر، میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ جو بولنے اور تقریر کرنے کی صلاحیت اور ذوق ہے، اس کی ابتدا بھی حضرت قاری صاحبؒ نے کی تھی۔

ایک اور واقعہ حضرت قاری صاحبؒ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ۱۹۷۷ء میں تحریک نظام مصطفیٰ چلی جو بہت بڑی تحریک تھی۔ گکھڑ میں حکومت کے خلاف تحریک نظام مصطفیٰ کا جلوس تھا۔ ایک فورس ہوتی تھی، فیڈرل سیکورٹی فورس (ایف ایس ایف کہلاتی تھی) جلوسوں کو کچلنے کے لئے۔ حضرت والد صاحبؒ نے قیادت کرنی تھی، گورنمنٹ نے پابندی لگا دی کہ جلوس نہیں نکالیں گے، لیکن جمعہ کے بعد والد صاحبؒ کی قیادت میں لوگ جلوس کے لئے جمع ہو گئے کہ جلوس نکالیں گے۔ جلوس جب آگے بڑھا تو فورس کے کمانڈر نے ایک لکیر کھینچ دی اور چاروں طرف سپاہی کھڑے کر دیے اور کہا کہ جو اس لکیر کو عبور کرے گا، اسے گولی مار دیں گے۔ اس زمانے میں ایسے ہوتا تھا۔ اب بغیر وارننگ کے مارتے ہیں، اس وقت وارننگ دے کر مارتے تھے۔ اس کا یہ اعلان سن کر سناٹا چھا گیا کہ یہ کیا ہوا اور چاروں طرف سپاہی گنیں نشانہ پر لیے ہوئے کھڑے تھے کہ کون لکیر عبور کرتا ہے اور پھر کیا ہوتا ہے۔ اُدھر فورس کھڑی ہے، اِدھر یہ ہیں۔ حضرت والد صاحبؒ اور والد گرامی کے ساتھ دو آدمی اور ایک حضرت قاری محمد انور صاحبؒ اور ایک گکھڑ کے حاجی سیدڈار تھے، یہ تین آدمی جلوس کی قیادت کر رہے تھے۔ آگے بڑھے اور کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے لکیر عبور کر گئے اور والد صاحبؒ نے ایک جملہ کہا کہ مسنون عمر پوری کر چکا ہوں، اگر اب شہادت مل جائے تو بڑی سعادت کی بات ہے۔ کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے لکیر عبور کر گئے، سب سناٹے میں آ گئے، کسی کو کچھ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہ بھی قاری صاحبؒ کے بڑے کارناموں میں سے ایک ہے کہ انہوں نے اس طرح اپنی جان کی پروا کیے بغیر ساتھ نبھایا۔

حضرت قاری صاحبؒ جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو میں کبھی کبھی جایا کرتا تھا۔ بہت واقعات ہیں، دو تین عرض کرتا ہوں۔

پہلی دفعہ ۱۹۸۴ء میں جب میں مدینہ منورہ گیا تو آپؒ وہاں پڑھاتے تھے۔ میں نے آپؒ کو اطلاع دی تھی کہ میں فلاں وقت آ رہا ہوں۔ میرا زندگی میں مدینہ منورہ جانے کا پہلا موقع تھا۔ راستے کا پتہ نہیں تھا، اس لئے جو وقت بتایا تھا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے دو تین گھنٹے لیٹ پہنچا۔ قاری صاحبؒ میرے بتائے ہوئے وقت پر آئے، اڈے پر ڈیڑھ، دو گھنٹے تلاش کرتے رہے۔ میں نہ ملا تو پریشان واپس چلے گئے۔ میں مدینہ منورہ دیر سے پہنچا۔ وہاں عصر سے مغرب تک کلاس ہوتی ہے، وہ عصر اول وقت میں پڑھتے ہیں، جیسے ہمارے ہاں اہل حدیث حضرات پڑھتے ہیں۔ عصر اور مغرب کے درمیان خاصا وقت ہوتا ہے۔ میں نے عصر کی نماز پڑھی اور تلاش کرتے کرتے قاری صاحبؒ کی کلاس تک پہنچ گیا۔ مجھے جونہی دور سے دیکھا تو بے ساختہ فرمایا: اوئے مولوی! کان پکڑ لے۔ میں نے بیگ نیچے رکھا اور مرغا بن گیا۔ آپؒ اٹھ کر آئے اور کہا: ارے میں نے یہ تو نہیں کہا تھا۔ میں نے عرض کیا یہ نہیں کہا تھا تو اور کیا کہا تھا؟ فرمایا: اللہ کے بندے! میں دو گھنٹے پریشان رہا، تمہیں ڈھونڈتا رہا، تم نہیں ملے تو میں واپس آ گیا۔ میں نے معذرت کی کہ مجھے راستے کا علم نہیں تھا، اس لئے دیر ہوگئی۔ سچی بات ہے حضرت قاری صاحبؒ کو وہاں پڑھاتے دیکھ کر بہت خوشی ہوتی تھی کہ میرے استاذِ محترم ہیں اور مدینہ منورہ میں بیٹھے پڑھا رہے ہیں۔ فجر کی نماز کے بعد مسجد نبوی کے برآمدے میں بیٹھ کر طلبہ کی منزلیں سنا کرتے تھے اور میں قریب کسی ستون کی اوٹ میں کھڑا دیکھتا اور خوش ہوتا رہتا کہ کیا خوش نصیبی ہے کہ مسجد نبوی کے برآمدے میں بیٹھے شاگردوں کی منزلیں سن رہے ہیں۔ بڑی خوشی ہوتی تھی اور بڑا رشک آتا تھا۔ میں اپنا اعزاز سمجھتا کہ میرے استاذِ محترم ہیں اور یہاں بیٹھے پڑھا رہے ہیں۔

میرا ہر سال، دو سال بعد وہاں چکر لگ ہی جاتا ہے۔ میں ان کے پاس جاتا، ملتا، کچھ دیر ان کے پاس ٹھہرتا۔ کوئی ساتھی ملتا تو میں اسے تعارف کرواتا کہ یہ میرے استاد محترم ہیں۔ ایک دن کہنے لگے: اس طرح نہ کہا کرو۔ میں نے کہا: کیوں؟ فرمایا: مجھے شرم آتی ہے۔ میں نے بے تکلفی میں کہا: مجھے شرم نہیں آتی، آپ کو کیوں آتی ہے۔ میں تو ایسے ہی کہوں گا، کیا آپ مجھے ڈنڈے نہیں مارتے رہے؟ مجھے وہ ڈنڈے یاد ہیں۔ ان کی ڈاڑھی دیر سے سفید ہوئی ہے۔ ایک دور وہ بھی گزرا ہے کہ میری ڈاڑھی سفید تھی، ان کی کالی تھی۔ میں یہ کہتا کہ یہ میرے استاذ ہیں تو لوگ حیران ہوتے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ میرا جب بھی مدینہ منورہ جانا ہوتا تو ان کا اصرار ہوتا تھا کہ میرے پاس ٹھہرو۔ ہمارا ان کے ساتھ محبت وعقیدت کا گہرا تعلق تھا اور ان کا بھی صرف میرے ساتھ ہی نہیں، ہمارے پورے خاندان کے ساتھ شفقت کا تعلق تھا۔ ہمارے خاندان کا کوئی آدمی عمرے یا حج پر جاتا تو قاری صاحبؒ کی حالت دیکھنے کے قابل ہوتی تھی۔ بہت خوش ہوتے کہ مولوی صاحبؒ کے بچے آئے ہیں، بیٹے آئے ہیں، بھانجے آئے ہیں اور بڑی خدمت اور بڑا اعزاز فرماتے تھے۔ ایک دفعہ میں گیا تو بتایا نہیں اور قاری ریاض انصاری صاحب کے بیٹے حافظ محمد یحیٰ ابوبکر فاضل نصرۃ العلوم کے پاس ٹھہر گیا۔ مغرب اور عشاء کے درمیان مسجد نبوی میں حضرت قاری صاحبؒ کی چھتری متعین ہوتی تھی۔ پہلی صف کی دوسری چھتری کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے۔ قاری صاحبؒ سے جا کر ملا۔ انہوں نے پوچھا: کب آئے ہو؟ میں نے بتایا: کل آیا تھا۔ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟ میں نے کہا: ابوبکر کے پاس۔ فرمایا: سامان اٹھا کر گھر آ جاؤ۔ ابوبکر کو کہا: چلو جاؤ، مولوی کا سامان اٹھا کر ابھی یہاں لے آؤ۔ اس شفقت اور عنایت کا برتاؤ فرماتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے ہاں الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ میں ایک دفعہ تشریف لائے۔ آخر عمر میں بیمار ہو گئے تھے۔ میں نے پروگرام بنایا کہ ان کے اس علاقے میں بہت سے شاگرد ہیں تو قاری صاحبؒ کے جو شاگرد میرے علم میں تھے، ان کو یہاں اکٹھا کیا، ایک نشست کی اور قاری صاحبؒ کو دعوت دی۔ قاری صاحبؒ تشریف لائے اور بہت زیادہ خوش ہوئے کہ یہ تو تم نے بڑا کام کر دیا، میں کس کس کے پاس جاتا، کس کس سے ملتا۔ تم نے اکثر شاگردوں سے اکٹھے ملاقات کروا دی۔

پچھلے سال سعودی حکومت کی دعوت پر میرا حج پر جانا ہوا۔ وہ پروٹوکول کا حج تھا۔ مدینہ منورہ میں ہم تین چار دن ٹھہرے تھے۔ شام کو میں حسبِ معمول ملنے کے لیے گیا تو قاری صاحب مسجد میں نہیں آ رہے تھے، معذور تھے۔ ان کے گھر گیا اور ملاقات کی۔ ان سے مل کر، تھوڑی دیر بیٹھ کر واپس اپنے ساتھیوں کے پاس آ گیا۔ دوسرے دن برادرم محمد اشفاق (یہ ان کے بیٹے ہیں، ہمارے بھائی ہیں) کا فون آ گیا کہ ابو جی آپ سے ملنے کے لیے آنا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مولوی کو ملنے ہوٹل میں جانا ہے۔ میں نے کہا: کیوں، وہ کیوں آئیں، میں خود حاضر خدمت ہوں گا۔ یہ غلطی نہ کرنا کہ قاری صاحب مجھے ملنے میرے پاس آئیں، میں خود حاضر ہوں گا۔ شام کو پھر میں آپؒ کے گھر گیا اور ملاقات کی۔ آپؒ بڑی محبت، عزت کرتے تھے، بڑی شفقت سے نوازتے تھے۔

آپؒ کافی عرصے سے وہاں رہ رہے تھے کچھ عرصہ پہلے ایک الجھن پیدا ہو گئی کہ سعودیہ نے کچھ ایسے قوانین نافذ کیے کہ لگتا تھا کہ شاید ان کو واپس آنا پڑے گا کہ وہاں کی شہریت نہیں تھی۔ سعودیہ والے شہریت نہیں دیتے۔ میں ان کے پاس گیا تو کہنے لگے کہ سعودیہ والے اب شاید نکال دیں گے، میں تو یہاں دفن ہونے کی نیت سے آیا ہوں۔ دعا کرو میرے لئے۔ میں نے کہا: اللہ پاک مہربانی فرمائیں گے، نیتوں کو اور نیتوں کے خلوص کو اللہ پاک جانتے ہیں۔ اس سال میں وہاں نہیں جا سکا۔ استاذِ محترمؒ حج کے موقع پر ساتھیوں سے پوچھتے رہے کہ مولوی نہیں آیا، کیوں نہیں آیا؟ مجھے بھی حسرت رہی کہ پچھلے سال ہی ملاقات ہوئی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ کوئی موقع مل جائے اور ملاقات کا کوئی وسیلہ بن جائے۔ سچی بات ہے کہ میں تو ان کے بارے میں کہا کرتا تھا کہ میرا دعاؤں کا خزانہ مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا ہے اتنی زیادہ دعائیں دیتے تھے کہ ان کے چلے جانے کے بعد میں دعاؤں کے کنکشن سے محروم ہو گیا ہوں اور جب کبھی روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دیتے تو میری طرف سے سلام کہتے اور بے شمار دعائیں دیتے تھے۔

پچھلے دنوں ہمارے لیے دو تین صدمے اکٹھے ہی آ گئے۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ کا انتقال ہوا، ابھی ان کا جنازہ بھی نہیں ہوا تھا کہ مدینہ منورہ سے فون آ گیا کہ حضرت قاری صاحبؒ فوت ہو گئے ہیں۔ ابھی اسی صدمے میں تھے کہ تیسری خبر آ گئی کہ حضرت مولانا عبد الحفیظ مکیؒ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ یہ دو دن میں تین ایسی خبریں سن کر میری عجیب کیفیت تھی کہ یا اللہ کیا کریں۔ بہت صدمہ تھا اپنے بزرگوں کی جدائی کا۔ سچی بات ہے کہ باپ ہی کی طرح تھے، باپ ہی کی جگہ تھے۔ بہر حال اللہ پاک ان کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور ہمیں ان کے صدقہ جاریہ کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

© rasailojaraid.com